اسلامی تحریکیں: حال اور مستقبل

ڈاکٹر محمد شفیق ملک

غلبۂ اسلام کے لیے کوشاں اسلامی تحریکیں ہمیشہ موضوع بحث رہی ہیں۔ دہشت گردی کے نام پر مسلط کی جانے والی عالمی جنگ میں اس حوالے سے بحث جاری ہے۔ مغرب میں کی جانے والی ان تحقیقات کا غالب حصہ منفی اہداف رکھتا ہے۔ زیرنظر تحریر ڈاکٹر شفیق ملک کے پی ایچ ڈی مقالے کا آخری باب ہے جس میں اسلامی تحریکوں کو درپیش مسائل، خدشات اور مستقبل کے امکانات کا مثبت جائزہ لیا گیا ہے، اور لائحہ عمل پیش کیا گیا ہے۔ (ادارہ)

اسلامی تحریکیں امت کو جمود، پستی، غلامی اور خود فراموشی سے نکالنے کے لیے اٹھی ہیں۔ اس کے لیے جہاں اَن تھک جدوجہد ضروری ہے، وہیں ان خطرات کی سنگینیوں کا احساس اور تدارک بھی ضروری ہے جن سے یہ تحریکیں دوچار ہوسکتی ہیں۔

ان خطرات میں سب سے پہلے وہ نوجوان ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ مسلم معاشرے میں دین پر عمل کی رفتار سست ہے۔ وہ یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ شریعت اور دین واخلاق کے منافی مظاہروں کو ہرصورت میں فوراً ختم ہونا چاہیے۔ وہ اسلام کی خوبیوں کے ادراک کے لیے وقت دینے کو تیار نہیں ہیں۔ نتائج کے سلسلے میں عجلت پسندی انسانی طبیعت کا خاصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اور حضوؐر نے صحابہ کرامؓ کو بار بار صبر کی تلقین کی۔ اس لیے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ اجتماعی اصلاح و تربیت کے عمل کی کامیابی کے لیے، عجلت پسندی کے بغیر، ایک بھرپور اور طویل جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔

بعض افراد میں انتہاپسندی کے رجحانات نظر آتے ہیں۔ انتہاپسندی کی وجہ سے دعوت اور پُرامن ذرائع انقلاب پر اعتماد کمزور ہوتا ہے اور تشدد اور مسلح انقلاب کی راہ اختیار کی جاتی ہے۔ اسلام نے انتہاپسندی کی مذمت کی ہے اور غلطیوں کی اصلاح کے لیے حکمت کا رویہ اپنانے پر زور دیا ہے۔ اسلامی بیداری کو انتہاپسندی سے

اجتناب کرنا چاہیے تاکہ نوجوان تشدد کی راہ نہ اختیار کریں۔(ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، جنوری ۱۹۹۶ء، ص ۴۳-۴۴)

خرم مراد اس معاملے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ساری جدوجہد کا اصل مطلوب صرف ایک ہے، اپنے لیے اور دوسرے افراد کے لیے، جنت کا حصول ممکن بنانا____ اسی لیے پہلے مرحلے میں اصل اہمیت افراد کی ہے، نہ کہ اجتماعی نظام کی چنانچہ اجتماعی اصلاح کی خاطر کوئی ایسے طریقے اختیار کرنا ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا جن سے افراد کی اصلاح کا دروازہ بند ہوتا ہو، یا وہ جنت سے دُور اور آگ سے قریب ہوتے ہوں۔تشدد سے دلوں کے دروازے بند ہوتے ہیں۔لوگوں کو مارنے سے ان کی ہدایت کا امکان ختم ہوجاتا ہے۔لوگوں کو ہلاک کرنا اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے جب ان پر اتمامِ حجت ہوگئی ہو، اور ان کی اصلاح سے مایوسی۔اس کا تعین وحی الٰہی کے بند ہوجانے کے بعد ممکن نہیں۔اس لیے اِلاّ یہ کہ اللہ کے احکام کے مطابق جہاد کرتے ہوئے مخالفین مارے جائیں، صرف دین کی مخالفت یا گناہوں کی سزا میں لوگوں کو ہلاک کرنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔ بے گناہوں کو، خصوصاً عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو مارنا تو جہاد میں بھی منع ہے۔اسی طرح اگر مسلح انقلاب کی کوشش میں لوگ کثرت سے مارے جائیں، آبادیاں ملبے کا ڈھیر بن جائیں تو پاکیزہ نظام کن لوگوں پر قائم ہوگا اور اس کی برکات سے کون مستفید ہوگا۔کیا صرف چند پاکیزہ نفوس؟

گن پوائنٹ پر ایک دل بھی سیدھا نہیں ہوسکتا، کجا یہ کہ سیاست، ثقافت، صحافت، ادب اور قوم سب کو سیدھا کردیا جائے۔خود پاکستان میں مارشل لا کے ناکام تجربات ہمارے سامنے ہیں۔جنرل یحییٰ خان ڈھاکہ آئے تھے تو میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ ”آپ مسیحا کا رول نہ سنبھالیں۔اگر ڈنڈے سے قوم کی اصلاح ہوا کرتی تو اللہ تعالیٰ انبیا کے بجاے فیلڈ مارشل ہی مبعوث کیا کرتا“۔چنانچہ دعوت دین کی جدوجہد کرنے والوں کا پہلا فرض یہ ہے کہ جو جانتے نہیں، ان کے سامنے حق پہنچانا ہے۔مطلوب حد تک یہ فرض ادا کیے بغیر طاقت کے استعمال کا جواز نہیں۔جن بے خبر اور غفلت و جہالت کے شکار لوگوں کے سامنے ابدی زندگی کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری ہم ابھی تک ادا نہیں کرسکے، ان کو سینما ہال میں بیٹھے بیٹھے موت کا پیغام پہنچادینا، کس طرح اللہ کو پسند ہوسکتا ہے؟ حوا کی جن بیٹیوں کے کانوں میں اب تک ہم وہ تریاق نہیں ڈال سکے، جو ان کے دلوں کو سلیم بنا سکتا ہے، ان کے اوپر تیزاب ڈال کر ان کے چہرے مسخ کردینے سے آخر کوئی فرد جنت کا مستحق کیسے بن سکتا ہے؟

طاقت کا استعمال اگر جائز بھی ہو تو اس کے لیے ایک سرجن کی سی ہمدردی، سوز اور مہارت ضروری ہے۔ جہاں اس کے استعمال کے پیچھے مایوسی، غصے اور نفرت کے نفسانی جذبات کارفرما ہوں تو نہ وہ راستہ اختیار کرنے

والوں کے لیے فلاح کا باعث ہوسکتا ہے اور نہ مقصد اصلاح کے لیے سودمند ہوسکتا ہے۔ (خرم مراد، تحریک اسلامی، اہداف، مسائل، حل،ص۸۹-۹۰)

اس لیے جب تک پرامن ذرائع سے دعوت پہنچانے، منوانے اور اجتماعی تبدیلی لانے کے راستے کھلے ہوئے ہوں اور جس وقت تک رائے عامہ اسلامی انقلاب کی پشت پناہی کے لیے تیار نہ ہوجائے، اس وقت تک اسلحہ اٹھا کر جہاد کرنا صحیح نہیں ہوگا اور حکمرانوں کے چند اقوال و افعال کی بنیاد پر ان کی تکفیر کر کے ان کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا تو کوئی حکم ہمیں نہیں ملتا۔

اسی لیے سید مودودی نے واضح طور پر فرمایا تھا: آپ جس ملک میں کام کر رہے ہیں، وہاں ایک آئینی اور جمہوری نظام قائم ہے۔ اس نظام میں قیادت کی تبدیلی کا ایک آئینی راستہ ہے، انتخابات۔ ایک آئینی و جمہوری نظام میں رہتے ہوئے تبدیلِ قیادت کے لیے کوئی غیر آئینی راستہ اختیار کرنا، شرعاً آپ کے لیے جائز نہیں۔ اسی بنا پر آپ کی جماعت کے دستور نے آپ کو اس امر کا پابند کیا ہے کہ آپ اپنے پیش نظر اصلاح و انقلاب کے لیے آئینی و جمہوری طریقوں ہی سے کام کریں۔ (سید مودودی، تحریک اسلامی کا آیندہ لائحہ عمل،ص۲۰۵)

برائی کو ہاتھ سے روکنا یقیناً اسلام کا حکم ہے لیکن حکم اس چیز کے لیے ہے جو ہمارے دائرہ اختیار میں ہو، جہاں یقینی ہو کہ ہاتھ کے علاوہ دوسرے ذرائع سے اصلاح کا امکان نہیں، جہاں ایک منکر کے ازالے سے دوسرا اس سے بڑا منکر وجود میں نہ آئے، خصوصاً فساد فی الارض جیسا منکر نمودار ہو، وہاں یہ طریقہ کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

پُرامن اعلائے کلمۃ الحق میں یقیناً ابھی کامیابی نہیں ہورہی اور دیر لگ رہی ہے لیکن کیا مسلح جدوجہد کے ذریعے سے کامیابی ہورہی ہے یا جلد منزل ہاتھ آتی نظر آرہی ہے؟ اگر ایک طرف الجیریا، ترکی اور پاکستان میں ناکامی کی مثالیں ہیں تو دوسری طرف مسلح جدوجہد کے باوجود شام، مصر، افغانستان اور خود الجیریا میں بھی ناکامی کی مثالیں موجود ہیں۔ یقیناً جہاں پرامن ذرائع سے کام ہورہا ہے، وہاں غلط حکومتیں قائم ہیں اور بگاڑ بڑھ رہا ہے لیکن جہاں طاقت استعمال ہورہی ہے کیا وہاں پر غلط حکومتیں گر رہی ہیں اور بگاڑ کم ہورہا ہے؟ (خرم مراد: تحریک اسلامی، اہداف، مسائل، حل،ص۹۳)

سید مودودی ۱۹۶۲ء میں مکہ مکرمہ میں ان عرب نوجوانوں سے خطاب کر رہے تھے جو ۱۰ سال سے بدترین جبر و استبداد اور تعذیب و تشدد کا شکار تھے۔ ان عرب طلبہ سے سید مودودی نے فرمایا: میری آخری نصیحت یہ ہے کہ آپ کو خفیہ تحریکیں چلانے اور اسلحے کے ذریعے انقلاب برپا کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہیے۔ یہ بھی دراصل بے صبری اور جلد بازی ہی کی ایک صورت ہے اور نتائج کے اعتبار سے دوسری صورتوں کی بہ نسبت زیادہ خراب

ہے۔ایک صحیح انقلاب ہمیشہ عوامی تحریک ہی کے ذریعے سے برپا ہوتا ہے۔کھلے بندوں عام دعوت پھیلائیے۔لوگوں کے خیالات بدلیے،اخلاق کے ہتھیاروں سے دلوں کو مسخر کیجیے۔اس طرح بتدریج جو انقلاب برپا ہوگا وہ ایسا پائیدار اور مستحکم ہوگا جسے مخالف طاقتوں کے ہوائی طوفان محو نہ کرسکیں گے۔جلد بازی سے کام لے کر مصنوعی طریقوں سے اگر کوئی انقلاب رونما ہو جائے تو یاد رکھیں جس راستے سے آئے گا،اسی راستے سے وہ ہٹایا جا سکے گا۔(تفہیمات،ج۳،ص۸)

ایک اور جگہ پر سید مودودی کہتے ہیں کہ اسلامی تحریکوں کے کارکنوں کو ہر طرح کے خطرات ونقصانات برداشت کر کے بھی علانیہ، پُرامن اعلائے کلمۃ الحق کا راستہ ہی اختیار کرنا چاہیے،خواہ اس کے نتیجے میں ان کو قید وبند سے دوچار ہونا پڑے، یا پھانسی کے تختے پر چڑھ جانے کی نوبت آئے۔(تصریحات،ص۱۵۷)

لادین حکومتیں

اسلامی تحریکوں کو ان مسلمانوں سے خطرات لاحق ہیں جن کی فکر ان کی فکر سے میل نہیں کھاتی۔ان خطرات کے دو اہم مصدر ہیں۔بعض مسلمان حکومتیں جو اس بیداری کی مخالف ہیں اور اس بیداری کو مکمل طور پر ختم کردینا یا عام زندگی میں بے اثر بنا دینا چاہتی ہیں۔ان ممالک کے دستور میں صراحت سے لکھا ہے کہ وہ سیکولر ہیں یا ان کے حکمران اپنی سوچ میں بالکل سیکولر ہیں۔ان حکمرانوں کی سیاسی تربیت اور تہذیبی اٹھان مغربی تہذیب کے اداروں میں ہوتی ہے جو اب بھی بہت سے معاملات میں بالواسطہ یا بلاواسطہ ان سے اپنی من مانی کراتے ہیں۔بسا اوقات ان کے یہ تربیت یافتہ شاگردان کے رٹائے ہوئے سبق کو کچھ زیادہ ہی اچھی طرح یاد کر لیتے ہیں اور اس کو نافذ کرنے میں اتنا زیادہ آگے نکل جاتے ہیں کہ ان کے مربی حضرات خود اپنے شاگردوں کو سختی اور تشدد کم کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔

دوسری وہ حکومتیں ہیں جو اسلام کی کھلم کھلا مخالف نہیں ہیں، بلکہ کچھ نہ کچھ اسلام کے حق میں بھی کام کرتی ہیں اور اسلام کو اختیار کرنے کی کوشش کرتی ہیں لیکن جس اسلام کو یہ حکومتیں اختیار کرتی ہیں وہ حکومتی اسلام ہے ،تاکہ وہ اقتدار سے فائدہ اٹھانے والوں کے مفادات کے لیے خطرہ نہ بنے۔اس لیے ہر وہ شخص جو اسلام کو اس کے پورے حسن وجمال کے ساتھ اور مکمل طور پر نافذ کرنے کی بات کرتا ہے، وہ ان حکومتوں کی نظروں میں بنیاد پرست،انتہا پسند اور ملک اور باشندگانِ ملک کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔وہ اس شخص پر بغاوت اور حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کا الزام ثابت نہیں کر پاتیں لیکن دہشت،تعذیب اور سزائے موت تک کے تمام حربے استعمال کرتی ہیں۔وہ انسانی حقوق کے معمولی سے حق سے بھی اسے محروم رکھتی ہیں۔یہ سب کچھ اقوام متحدہ اور انسانی حقوق سے متعلق عالمی تنظیموں کی نگاہوں کے سامنے انجام پاتا ہے مگر کوئی بھی مداخلت یا احتجاج کرنے کا روادار

نہیں ہوتا۔ بعض حکومتیں اسلام کی طرف اپنا میلان اس لیے ظاہر کرتی ہیں کہ ناپسندیدہ اسلامی تحریک کی قوت کا اندازہ کر کے اسے کچل دیں جیسا کہ گذشتہ برسوں میں کئی مسلم ممالک میں ہوا ہے۔

اسلامی تحریک کو ان دونوں طرح کی حکومتوں کے درمیان فرق ملحوظ رکھنا چاہیے لیکن اسے خطرہ دونوں سے ہے۔ پہلی قسم کی حکومتوں سے خطرہ عقیدے کی دشمنی پر مبنی ہے جس سے بچنا ناممکن ہے۔ دوسری قسم کی حکومتوں سے خطرہ اس تصور اسلام کو کمزور کرنے کا ہے جس کی نمایندگی اسلامی بیداری کرتی ہے۔ بسا اوقات حکمراں یہ سمجھتے ہیں اور ان کے بیرونی آقا اور اندرونی مشیر انھیں یہی سمجھاتے ہیں کہ اسلامی تحریکوں کا اسلام انتہا پسند ہے جس کے ساتھ گزارہ ممکن نہیں ہے۔ یہ بنیاد پرست عصر حاضر کی ترقی کے مخالف ہیں۔ یہ تمھاری حکومت اور امن وامان کے لیے اور عالمی سلامتی کے لیے خطرہ ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ امت قرونِ اولیٰ کی طرف لوٹ جائے۔ ان حکومتوں سے جو خطرات ہوتے ہیں، ان میں ظلم وجبر کے ذریعے تحریک کا خاتمہ کرنا۔ اس کے افراد پر عرصہ حیات تنگ کرنا، اس کے دعوتی اداروں کو کام کرنے سے روکنا، لوگوں کو اس تحریک سے متنفر کرنا، میڈیا کے مختلف وسائل وذرائع کو اس کے خلاف استعمال کرنا اور پارٹیاں قائم کرنے کی اجازت کے باوجود، عملاً قائم کرنے کی اجازت نہ دینا شامل ہیں۔

دوسرا خطرہ دیگر غیر اسلامی گروہوں سے ہے جو اسلام کی مخالفت اپنے اصول کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام ان کے لیے خطرہ ہے۔ بعض گروہ چاہتے ہیں کہ مسلم معاشرہ ہر معاملے میں لبرل ہو اور مغربی تہذیب کی نقالی کرے۔ ان کے خیال میں دنیا میں عزت اور ترقی کی یہی راہ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلم سوسائٹی میں سینما، ڈرامے اور فن کاری کے ذریعے اور سودی اداروں کے واسطے سے برائی کا چلن عام ہو۔ ان خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی تحریکوں سے وابستہ افراد احتیاط اور فہم وبصیرت سے کام لیں۔ مسلم حکومتوں سے معاملہ کرنے کے لیے قابل قبول وسیلہ تلاش کریں۔ حکمت عملی، موعظہ حسنہ کے ساتھ دعوت دین کا کام کریں، مسلح آویزش، افراتفری اور بدامنی پیدا کرنے سے بچیں کہ یہ مزید مشکلات کا سبب بنتے ہیں۔ حقیقی صورت حال کا ادراک کر کے تعمیری افہام وتفہیم کا ماحول پیدا کریں تاکہ اس تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے سازگار مواقع پیدا ہوں۔

عالمی استعمار کا رویہ

ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر مانع حماد الجہنی نے ایک انٹرویو میں کہا کہ ''اسلامی تحریکیں ہر مسلم معاشرے کا اندرونی معاملہ ہیں لیکن اس کے باوجود عالمی طاقتیں اس پر کڑی نظر رکھ رہی ہیں۔ مغرب کے بیش تر ملکوں میں خارجہ امور کی وزارتیں، مراکز برائے تحقیق اور اسٹرے ٹیجک مطالعات، ان ملکوں کی

جامعات، استشراق کے مراکز تحقیق اور حکومت کی خفیہ ایجنسیوں کے لیے یہ موضوع اہم ترین بن گیا ہے۔ اسلامی بیداری، بنیاد پرستی اور سیاسی اسلام پر مغرب میں جتنا کچھ لکھا گیا ہے، وہ تمام مسلم ممالک میں ان موضوعات پر لکھے گئے مواد سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اسلامی بیداری کی تحقیق اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے مناسب اقدامات اختیار کرنے کی غرض سے متعدد کانفرنسوں اور اجتماعات کا انعقاد بھی کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر امریکی خفیہ ادارے (سی آئی اے) نے ۱۹۸۳ء میں اسلامی بیداری پر ۱۲۱ کانفرنسوں کے انعقاد کے مصارف کا بار اٹھانے کی ذمہ داری لی تھی"۔ (ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، جنوری ۱۹۹۶ء، ص ۴۶)

عالمی طاقتوں کی دل چسپی کا ایک سبب ان کا یہ احساس ہے کہ اگر مسلم معاشرہ اسلام کی طرف واپس آ گیا تو مسلم ممالک میں ان کے مفادات پر ضرب پڑے گی۔ وہ مستقبل میں اسلام کے تہذیبی غلبے کے خطرے کا احساس کر رہے ہیں جس نے یورپ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مشرق و مغرب کی استعماری طاقتیں مسلسل یہ کوشش کر رہی ہیں کہ دنیا کے کسی بھی حصے میں اسلام کا کوئی اثر قائم نہ ہو سکے اور اپنے اہداف کے حصول کے لیے مغربی ادارے براہ راست اور بالواسطہ اسلام کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ انقلابات، ہنگامے ، اقتصادی بائیکاٹ، انتہا پسندی اور دہشت گردی کے الزامات اور اسلامی بیداری سے وابستہ افراد کی کردار کشی اور مسلمان ملکوں پر حملے ان کے واضح حربے ہیں۔ عالمی میڈیا اور خود عالم اسلام کا میڈیا تک اس میں ملوث ہے۔

یہ طاقتیں مسلسل اس بات کی کوشش کر رہی ہیں کہ وہ کسی نہ کسی طرح مسلم ملکوں کی حکومتوں پر دباؤ ڈال کر اسلامی فکر کو ختم کر دیں۔ کبھی سفارتی دباؤ کے ذریعے، کبھی ان ملکوں میں بسنے والی اقلیتوں کے مفاد میں گہری دل چسپی کے ذریعے۔ وہ حکومتیں جو ان کے دباؤ کے آگے نہیں جھکتیں اور ملک کی داخلی سیاست میں مداخلت گوارا نہیں کرتیں ، انھیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس عداوت کا مطالبہ ان مغربی ملکوں سے بھی کیا جاتا ہے، جہاں مسلم اقلیتیں بستی ہیں۔

مغربی صحافت کا مشاہدہ کرنے والا شخص اس طرح کی کوششیں واضح طور پر دیکھ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر The Flame نامی برطانوی میگزین میں ایک مقالہ 'برطانیہ کی خاطر جنگ' کے عنوان سے شائع ہوا اور اس میں یہ بات کہی گئی کہ اگر مغربی ممالک اور خاص کر برطانیہ بیدار نہیں ہوتا تو وہ دن آنے والا ہے جب مسلمان ان ملکوں کو حجاب اختیار کرنے ، حلال گوشت کھانے ، سودی بنکوں کو ختم کرنے اور اسلامی زندگی کے مظاہر اختیار کرنے پر مجبور کر دیں گے۔

اسی طرح ایک امریکی رسالے The Chicago Tribune میں ایک مضمون شائع ہوا، جس کا عنوان تھا: 'اسلام اور تبدیلی کی ہوائیں'۔ اس مضمون میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ عالم اسلام بنیاد پرستی کی بنیاد پر

تبدیلی کی جس نئی لہر کا محتاج ہے۔مغرب اس کا از سرِ نو جائزہ لے''۔(ماہنامہ ترجمان القرآن، جنوری ۱۹۹۶ء، ص ۴۶-۴۷)

لائحہ عمل

اسلامی تحریکوں کے قائدین کو ان تمام داخلی اور خارجی خطرات اور اندیشوں کو سامنے رکھ کر اپنی حکمت عملی طے کرنا چاہیے تا کہ منزل کی طرف سفر کامیابی کے مراحل سے گزرے۔ اسلامی تحریکوں کو اس بات کا مکمل اور واضح شعور ہونا چاہیے کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہیں۔ اس لیے کہ مکمل آگہی اور شعور ہی مقاصد کو حاصل کرنے کے وسائل اور ذرائع کا تعین کرتے ہیں۔ اسلامی تحریکوں کے مقاصد اور اہداف اس وقت تک حاصل نہ ہو سکیں گے جب تک کہ دعوتی قوت اور حکومتی اقتدار دونوں ان کے ہاتھوں میں نہ ہوں۔ مقاصد واہداف کے تعین کے بعد ضروری ہے کہ ترجیحات کو متعین کرلیا جائے اور انھیں زندگی کے تمام گوشوں میں نافذ کرنے میں تدریج کا خیال رکھا جائے اور افراط وتفریط سے بچا جائے۔

کتاب وسنت کی پیروی

اسلامی تحریکوں کو اپنے اساسی مرجع کا تعین کرتے ہوئے اپنے احکامات وتعلیمات کو اسی سے اخذ کرنے اور اپنی تہذیب وتمدن کو اسی بنیاد پر استوار کرنے کا اہتمام بھی کرنا ہوگا۔ نیز اختلاف کی صورت میں وہی مرجع ہونا چاہیے۔ بلاشبہ بحیثیت امت ہمارا مرجع 'دین اسلام' ہے جس سے مراد کسی خاص زمانے، کسی خاص ملک یا کسی خاص مسلک کا اسلام نہیں اور نہ کسی خاص مکتبِ فکر کا ہی اسلام ہے، بلکہ دورِ اولین کا وہ اسلام ہے جو ہر قسم کی بدعات اور ملاوٹ سے پاک تھا۔ یعنی فرقوں میں بٹ جانے سے پہلے کا وہ صحیح اسلام، جو تاویلات وتشریحات کی بھول بھلیوں میں کھو جانے سے پہلے کے دورِ نبویؐ اور خیر القرون کا اسلام ہے۔ حقیقی اسلام کو متعارف کروانے اور دنیا میں نافذ کرنے کے لیے مشترکہ طور پر ایسا نظام مرتب کرنے اور جاری وساری کرنے کے لیے ایسی عالمی مشینری کو وجود میں لانا ہوگا جو افراط وتفریط سے پاک ہو کر متوازن اور معتدل تعلیمات پر عمل کرے۔

یہ تحریک عالمی تبلیغ میں اصول یسر (آسانی) کو پیش نظر رکھنے والی، انسانی مسائل کا حل پیش کرنے میں سہولت کے پہلو کو مقدم کرنے والی اور عام فہم ہونی چاہیے۔ اسی طرح دوسرے فریقوں سے ربط وضبط رکھنے، ان کی سننے اور اپنی کہنے کی قائل ہو۔ مخالفت کرنے والوں کے ساتھ وسعت قلبی کے ساتھ معاملہ کرسکتی ہو۔

ہمہ گیر تعاون کا حصول

سنگین خطرات اور فی الوقت محدود امکانات کے پیش نظر محض اسلامی تحریکوں کے مختلف گروہوں کے درمیان تعاون ہی کافی نہیں ہے بلکہ ہر اس شخص یا گروہ سے تعاون ضروری ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت

کے سلسلے میں کچھ بھی کام انجام دے رہا ہو۔

ضروری ہے کہ اسلامی تحریکیں تمام انسانوں کو اپنے حق میں ہموار کریں۔ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیں اور ان کے سامنے اسلام کا کمال و جمال اس طور پر پیش کریں کہ وہ اسلام کو پسند کریں اور قبول کرلیں۔ مسلمانوں کی دینی تعلیمات کے ذریعے تذکیر کریں، ان کے اندر ایمان وخیر کے خفتہ جذبات کو اس طرح اُبھارا جائے کہ وہ دین کو پہچان لیں اور اس کی پیروی کرنے لگ جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام انسان، تحریک اسلامی کا ہدف ہیں۔ اسے اس بات کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے کہ لوگ اس دین کے دوست بن جائیں اور بلاشبہ دوست بنانا دشمن بنانے سے زیادہ مشکل کام ہے۔ مسلم سماج میں ان وسائل کو تلاش کرنا چاہیے جو اسلامی دعوت کے لیے دوست بنانے کا ذریعہ بنیں۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس میں ناکامی تباہ کن ہے اور دین کے مصالح کے لیے مضرت رساں ہے۔ دوست بنانے کے لیے اسلامی تحریکوں سے وابستہ افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام مسلمانوں سے حسن ظن رکھیں۔ معاملہ کرتے وقت غلط فہمی یا حقارت کا رویہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رہے کہ تمام مسلمانوں میں خیر کا پہلو غالب ہے اور ہر شخص کے پاس کچھ نہ کچھ ہے، جسے وہ دین کے لیے پیش کرسکتا ہے اور ایک شخص کے بارے میں ہماری منفی سوچیں غلط ہوسکتی ہیں۔ مسلمانوں کے بارے میں حسن ظن رکھنا اسلامی اخوت کا تقاضا ہے۔ لوگوں کے دلوں تک پہنچنے کا بہترین طریقہ اصحاب فضل کا اعتراف اور ان کی اچھی باتوں کی تعریف کرنا ہے۔ اگر ہم ایک شخص کے اچھے پہلوؤں کی ہمت افزائی کریں گے تو گویا اس کا دل جیت لیں گے، یا کم از کم اس کے تنقیدی رویے میں کمی آجائے گی۔

حکمت اور دعوت

تحریکات اسلامی کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو ایسے بہت سے امور ومسائل بھی ہیں جن میں فوری یکسوئی ضروری ہوگئی ہے مثلاً اسلامی تحریکات سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ معاشرے میں اچھائیوں کے فروغ اور برائیوں کی روک تھام کے کسی موقع کو ضائع نہیں کریں گی اور ظلم واستبداد کے خلاف آواز اٹھانے میں کوتاہی نہیں کریں گی۔ اسلامی تحریکوں کی عملی کوششیں انسانوں کے عملی رویے کو اسلامی قدروں کے مطابق ڈھالنے اور ان مقاصد کا خادم بنانے میں کامیاب ہوسکتی ہیں۔ یہی طریق کار تحریک اسلامی کو عصر جدید کی ان سیکولر تحریکوں سے ممتاز کرتا ہے جو ابتدا ہی سے اپنا مرکز توجہ سماج کے تنظیمی ڈھانچے میں تبدیلی کو بناتی ہیں اور انسان کو بدلنے کی کوئی کوشش نہیں کرتیں۔ یہی طریق اختیار کرکے ان ملکوں میں بھی کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے جن کے باشندوں کی غالب اکثریت مسلمان نہیں ہے۔ اس غیر مسلم غالب اکثریت کے دل ودماغ کو نفرت اور

بے زاری کے زہر سے پاک کر کے ان کے اندر اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے حسنِ ظن پیدا کیا جا سکتا ہے، تا کہ وہ دعوت اسلامی پر کھلے دل و دماغ سے غور کر سکیں لیکن یہ طریق کار اختیار کرنے کے لیے پیغمبرانہ وسیع النظری اور عالی حوصلگی کی ضرورت ہے۔

وحدت امت

امت کے جسد پر ایک اور گہرا زخم ''افتراق واختلاف امت'' ہے۔اس کا علاج وحدت امت اسلامیہ کے نسخۂ کیمیا سے ہی ممکن ہے کیونکہ کٹی پھٹی اور بکھری ہوئی امت کا کوئی مستقبل نہیں۔اُمت واحدہ اب مختلف اقوام کا مجموعہ بن چکی ہے، الگ الگ گروہوں کی شکل اختیار کر چکی ہے۔یہ گروہ محض متفرق مجموعے ہی نہیں، بلکہ عملاً ایک دوسرے سے دست وگریباں ہیں،خود ہی ایک دوسرے کے غیظ وغضب کا شکار ہوتے رہتے ہیں جب کہ موجودہ دور میں مختلف الخیال اقوام پرانے اختلافات،نسلی امتیازات،مذہبی لڑائیاں اور علاقائی جھگڑے کم سے کم کرنے پر کمر بستہ ہیں۔مشترکہ مصلحتوں کی خاطر کش مکش کے ایام مسترد کر کے مختلف اتحاد اور مشترکہ منڈیاں وجود میں لائی جا رہی ہیں یہاں تک کہ ان کے باہم شیر وشکر ہونے کا گمان گزرتا ہے۔اسلامی تحریکیں اس وقت تک مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی عالمی سازشوں کا کامیابی سے مقابلہ نہیں کر سکتیں جب تک مسلمانوں کو متحد ومتفق کرنے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔یہ ممکن نہیں کہ مسلمان خود کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں منقسم رکھیں اور آج کی دنیا کے بڑوں سے ٹکر بھی لے سکیں۔اس کے لیے ضروری ہے کہ پوری کی پوری امت مسلمہ مشترکہ ہدف پر متحد ومتفق ہو۔

نیا عالمی منصوبہ

اسلامی تحریکوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسا عالمی منصوبہ تشکیل دیں جس پر عمل پیرا ہو کر پس ماندگی کی حالت کو بدلا جا سکے،ترقی اور سبقت لے جانے کی فضا پیدا ہو سکے۔مسلمان بلاشرکت غیرے ایک ہزار سال تک دنیا کی قیادت کرتے رہے ہیں۔اسلامی تہذیب وتمدن ساری دنیا میں رائج تھی۔مسلمانوں نے ساری دنیا کے لوگوں کو آدابِ حیات سکھائے تھے۔اسلامی تحریکیں یہ حقیقت واضح کرنے میں بنیادی کردار ادا کر سکتی ہیں کہ جہالت وپس ماندگی ہماری سرشت کا حصہ نہیں اور نہ ہی مسلمانوں کی موجودہ حالت اسلام کے مزاج سے میل کھاتی ہے۔

مسلمان عوام کی ناخواندگی، جہالت اور مسلم ممالک کی معاشی پس ماندگی دور کرنے کا سوال اس لیے اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ ایک طرف تو موجودہ صورت حال خود ان تحریکوں کے پیغام کو سمجھنے اور قبول کرنے میں رکاوٹ ہے اور دوسری طرف یہ امر بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر عوام ان تحریکوں کی دعوت قبول کر لیں، تب بھی

اصل صورت حال کو بدلے بغیر مسلمان ملکوں میں اسلامی نظام قائم کرنا دشوار ہے۔ عالمی سطح پر بڑی طاقتوں کے غلبے اور اسلامی دنیا کے بارے میں ان کے جارحانہ عزائم اور ان عزائم کی تکمیل میں پستی کی ہر حد سے گزر جانے والے ایجنٹوں کا وجود ایک ایسا چیلنج ہے جس کے مقابلے کے لیے بھرپور طاقت ناگزیر ہے۔ اس طاقت کی فراہمی کے لیے تعلیم، بالخصوص سائنس اور ٹکنالوجی میں زبردست پیش رفت اور بڑے پیمانے پر صنعتی عمل ضروری ہے۔ تحریک اسلامی کو اس سوال کا عملی جواب دینا اور ان پہلوؤں کو اپنی دعوت اور نظام اصلاح و تربیت میں خصوصی مقام دینا ہوگا۔ نیز اسی سے یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ اسلامی ممالک میں حکمرانوں اور اسلامی تحریکوں کا باہمی ٹکراؤ کس حد تک ناگزیر ہے۔ اس امر پر بھی غور و فکر ضروری ہے کہ جس حد تک یہ ٹکراؤ عالمی سطح پر اسلام دشمن استعماری قوتوں کی ریشہ دوانیوں اور ذہنی غلبے کا نتیجہ ہے، اس حد تک اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے صحیح حکمت عملی کیا ہے ؟ کیا یہ زیادہ مفید نہ ہوگا کہ یہ لڑائی اپنے اصل محاذ پر لڑی جائے اور دشمن کی اس سازش کو ناکام بنا دیا جائے کہ ہمارے اپنے گھروں کے اندر باہم تصادم اور سر پھٹول کا شکار ہو جائیں۔

اسلامی انقلاب کی حکمت عملی کے اس پہلو پر بھی بحث کی بہت گنجایش ہے کہ حقوق آزادی کی خاطر اور مسلم یا غیر مسلم استبداد کے مقابلے کے لیے ہتھیار اٹھانے کی افادیت اور جواز کیا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ مسلمان اس امر پر متفق ہو جائیں کہ طاقت کا استعمال صرف اسی وقت درست ہے جب اسلام کی سرزمین پر غیر ملکی حملہ آور ہو جائیں۔ برعظیم پاک و ہند میں سید مودودی کی اسلامی فکر کا یہ فائدہ ہوا ہے کہ باقاعدہ اعلان شدہ جہاد کے علاوہ اسلحے کے استعمال کے ناقابل قبول ہونے کا مسئلہ طے ہو گیا ہے۔ اس سے علاقہ باہمی جنگ و جدل سے محفوظ ہو گیا ہے جب کہ عالم عرب میں یہ بات طے نہ ہونے کی وجہ سے کئی تباہ کن واقعات رونما ہوئے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حکومتوں سے بہت سی قانونی تبدیلیوں کے مطالبے کو اولیت حاصل ہونی چاہیے یا کچھ اور کاموں کو، کیونکہ عصر حاضر میں اصل مسئلہ متعین اور معلوم اسلامی قوانین کا نفاذ نہیں ہے۔ یہ کام خود ایک بڑے کام کا جزو ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ عصر حاضر کی پیچیدہ زندگی میں عدل و انصاف، آزادی و مساوات، عفت و پاک بازی، سکون خاطر اور طمانیت قلب کے وہ مقاصد کس طرح حاصل کیے جائیں جن کے لیے یہ قوانین وضع کیے گئے ہیں۔ ان کے حصول کے جہاں قانونی اصلاحات ضروری ہیں، وہیں انسانوں کے خیالات و افکار، مزاج و رجحان اور حوصلوں میں تبدیلیاں بھی ناگزیر ہیں۔

عالمی صیہونی تحریک کا مقابلہ

امت مسلمہ کے لیے ممکن نہیں کہ تہذیب و تمدن کی بلندیوں کو چھو لے جب تک کہ وہ اپنے وجود کے خلاف ہونے والی عالمی صیہونی سازش کا مقابلہ کرتے ہوئے، اسے شکست فاش نہ دے دے۔ اسی طرح نصرانیت

اور ہندومت کی سازشوں کو سمجھنا اوران کا مقابلہ کرکے انھیں شکست دینا بھی ضروری ہے۔ یہ ہدف زبانی دعوؤں اورامن وسلامتی کے نام پر کیے جانے والے ان معاہدوں سے حاصل نہیں کیا جاسکتا جن کا واضح مقصد ان قوتوں کے سامنے سرِتسلیم خم کردینا ہے بلکہ اس کے لیے بصیرت افروز پختہ سوچ اور گہرے ایمانی جذبات ضروری ہیں۔ امت مسلمہ کے احیا کے لیے یہ ضروری ہے کہ عوامی سطح پر اور حکومتی و عسکری سطح پر نئے عزم وحوصلے سے پختہ بنیادوں پر کام کا آغاز کیا جائے۔ وہ طرز فکر وعمل اپنایا جائے جس سے ہر مسلمان نفسیاتی، فکری اور تہذیبی وتمدنی حوالوں سے اپنا سر بلند کرکے چل سکے۔

صہیونی ریاست کا نعرہ ہے کہ: ''اے اسرائیل تیری سرحدیں دریاے فرات سے لے کر نیل تک ہیں'' اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''چاول کے کھیتوں سے کھجور کے جھنڈوں تک''۔ یہود نے اس خیالی نعرے کو پے در پے کوششوں سے اپنے حامیوں کے دلوں میں راسخ کردیا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہمارے دینی لٹریچر میں یہ سچی بشارتیں موجود ہیں کہ اسلام عالم گیر کامیابی حاصل کرے گا، ساری دنیا میں اس کا ڈنکا بجے گا۔ ہماری تاریخ بھی شان دار اور سچے عالم گیر حقائق پر مبنی ہے۔ اس لیے بجا طور پر مستقبل میں مزید کامیابیوں اور سرفرازیوں کی توقع کی جاسکتی ہے۔ یہ حقائق مسلمان نسلوں کے دل ودماغ میں راسخ کرنے کی ضرورت ہے۔

همہ جہت ترقی کے لیے جدوجہد

اسلامی تحریکوں کو جس ہدف کو خاص اہمیت دینی چاہیے اور جس کے حصول کے لیے ہر دم کمربستہ رہنا چاہیے، وہ اسلامی معاشرے کی ہمہ جہت مجموعی ترقی کا حصول ہے۔ اس کے لیے بھرپور اور دوررس منصوبہ بندی کرنا ہوگی۔ انسانی وسائل کو انسانی ترقی کے لیے سرگرم کیے بغیر یہ ہدف حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ انسان ہی اس ہدف کا اصل محور ہے اور انسان ہی اس کے حصول کا ذریعہ بھی۔ موجودہ وسائل کو بہترین انداز سے استعمال کرتے ہوئے ترقی کی منازل کو طے کیا جاسکتا ہے۔ یہ ہمہ جہت ترقی مسلمانوں کی اقتصادی ترقی، پیداواری ترقی اور پیداوار کے متوازن استعمال اور معاشرے میں اس کی منصفانہ تقسیم، لوٹ کھسوٹ اور ملاوٹ وبدعنوانی کو ترک کرنے ہی سے ممکن ہے۔ اگر ایسا ہوسکے تو امت مسلمہ اقتصادی دباؤ سے نکل آئے گی۔

امت مسلمہ کے پاس ثروتوں کے لامحدود خزانے موجود ہیں۔ یہ خزانے امت کے میدانوں اور پہاڑوں میں، اس کی وادیوں اور صحراؤں میں، اس کے سمندروں اور دریاؤں میں بکھرے پڑے ہیں۔ ہماری جغرافیائی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلمہ ہے اور انسانی وسائل بھی وافر ہیں۔ ضرورت ہے تو اس بات کی کہ ہم ان بیش بہا قیمتی خزانوں کا صحیح استعمال جان جائیں اور انھیں درست انداز سے زیرتصرف لاکر مجاہدانہ انداز سے جینے کا ڈھنگ سیکھ لیں۔ پھر اس طرح زندگی بسر کریں جس طرح ہم چاہتے ہوں نہ کہ اس طرح جییں جس طرح ہمارے دشمن

چاہتے ہیں۔

منصفانہ سیاسی نظام کا قیام

اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مذکورہ بالا اہداف اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک اسلامی تحریکیں منصفانہ سیاسی نظام رائج کرنے میں کامیابی حاصل نہیں کر لیتیں۔ وہ نظام جس سے تمام شہریوں کو ان کے صحیح حقوق مل جائیں، جو انسان کے مقام و مرتبے اور آزادیٔ رائے کا احترام کرنے کا ضامن اور انسانی جان و مال و عزت کا رکھوالا ہو۔ یہ ایسا نظام ہو جس سے روحِ شورائیت بیدار ہو اور خیر خواہی اور ذمہ داری کا جذبہ پروان چڑھے۔ یہ نظام اسلام کے شرعی طرز سیاست پر مبنی ہونا چاہیے جس کا بنیادی مقصد امت اسلامیہ کی نشأتِ ثانیہ ہو۔ یہ نظام جبر و استبداد کے نمایندہ حکمرانوں اور سازشی ٹولوں کا دفاع کرنے والا نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ عوام کے مفادات کو پیش نظر رکھنے والا ہو، جس کے تحت اللہ کے قانون کو کسی تفریق کے بغیر سب پر یکساں نافذ کیا جائے، جس میں اعلیٰ و ادنیٰ کا فرق روا نہ رکھا جائے اور نہ ہی کسی سے امتیازی سلوک برتا جائے۔

جدید وسائل کا استعمال

ہر زمانے کی اپنی خصوصیات اور تقاضے ہوتے ہیں جن کی بنا پر وہ دوسرے زمانے سے ممتاز ہوتا ہے۔ موجودہ اسلامی تحریکیں ایسے زمانے میں ابھری ہیں جس میں انسانی علوم نے بہت ترقی کی ہے۔ ملکوں کے فاصلے گھٹ گئے ہیں۔ وسائل اور ذرائع کے تنوع اور کثرت کی وجہ سے تہذیبوں کا اختلاط ہو گیا ہے۔ ساری دنیا سکڑ کر ایک گاؤں کی طرح ہو گئی ہے۔ اسی طرح آج کے دور میں جو نئے افکار و نظریات اور انسانی سلوک اور رویوں میں جدتیں پیدا ہوئی ہیں، ان سے پہلے کے لوگ آگاہ نہیں تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام دنیا کے تمام گوشوں میں پھیل چکا ہے اور اس کے ماننے والے اپنے تربیتی پس منظر، فکری ورثہ اور زندگی کے حالات کے لحاظ سے الگ الگ ہیں۔

ان ساری باتوں نے اسلامی تحریکوں کے کاندھوں پر ذمہ داریوں کے نئے بوجھ ڈال دیے ہیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ اسلامی تحریکیں، اسلامی فکر اور تہذیب کی تشکیل میں، دعوتی کام کے طریقوں میں اور لوگوں سے معاملہ اور تعلق قائم کرنے کے سلسلے میں نیا انداز اختیار کریں۔ نئی اور مفید چیزوں سے جو کہ خلاف شرع نہ ہوں بھرپور استفادہ کریں۔ اسلامی بیداری کو کسی تنگ گھاٹی میں محصور نہیں کیا جاسکتا۔ ذرائع ابلاغ (کتب، رسائل ، اخبارات، کمپیوٹر سی ڈیز، ریڈیو، ٹیلی ویژن) کا بائیکاٹ محض اس دلیل پر کہ میڈیا میں ایسے مواد ہوتے ہیں جو اخلاق کے لیے تباہ کن ہیں، نہیں کرنا چاہیے۔ صحیح انداز فکر یہ ہے کہ ہم ان وسائل کو مسلم سماج کے خیر اور نفع کے لیے استعمال کریں۔

اسلامی تحریکات کا مستقبل

تحریکاتِ اسلامی نے اپنا جو دور پورا کرلیا ہے، اس نے عصر حاضر میں اسلام اور مسلمانوں کو بہت کچھ دیا ہے۔ دین کی جامعیت کا شعور اور اجتماعی زندگی میں دین کی تعلیمات سے روگردانی کا ابطال، اسلام کے موزونیت اور صالحیت پر اعتماد، اس کی طرف رجوع اور اسلام کی عظمت رفتہ کی بازیافت کا عزم آج کسی مخصوص جماعت یا حلقے تک محدود نہیں، بلکہ پورے مسلمان معاشرے میں عام ہو چکا ہے۔ سیاسی نظم واتحاد اور اقتصادی صلاحیت کے اعتبار سے بھی آج اسلامی دنیا وہاں نہیں جہاں اس صدی کے آغاز میں تھی۔ ان روشن پہلوؤں کے ساتھ یہ تلخ حقیقت بھی سامنے رہنی چاہیے کہ یہ خیال غلط ثابت ہو چکا ہے کہ اسلام کی تفہیم وترجمانی کا کام اس حد تک انجام پا چکا ہے کہ اب بجز ضد اور ہٹ دھرمی، تعصب اور مفاد پرستی اور جبر وتشدد کے، اسلام کے قبول عام اور اسلامی نظام کے قیام کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہ گئی ہے۔ یا یہ کہ ہمارے عوام اسلام چاہتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سیاسی عمل کے ذریعے اسلامی حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے۔ ابھی فکری اور عملی سطح پر بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

اسلامی تحریکات کا مستقبل کیا ہے؟ اس سوال کا جواب اس بات پر منحصر ہے کہ وہ اپنے ادھورے کاموں کو مکمل کرنے اور عصر حاضر میں اسلامی تعمیر نو کے تقاضوں کو پہچان کر انھیں پورا کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوتی ہیں۔ اس طرح یہ بات بھی فیصلہ کن ہوگی کہ گذشتہ نصف صدی کی تاریخ نے تحریک کے فرد اور لائحۂ عمل میں جن نقائص اور کمزوریوں کی نشان دہی کی ہے، ان کو پہچاننے اور دُور کرنے میں تحریک کی نئی قیادت کس حد تک کامیاب ہوتی ہے۔ یہ نئی قیادت بانیانِ تحریک کی مقلد محض ثابت ہوتی ہے، یا انھی کی طرح اجتہادی فکر سے کام لیتی ہے۔ مستقبل کی تعمیر میں اس کی نگاہیں اپنے ماضی ہی کی طرف رہتی ہیں اور وہ اس سے رہنمائی حاصل کرنا چاہتی ہیں یا معاصر حالات کے تجزیے اور مستقبل کے بارے میں مبنی بر بصیرت اندازوں کی روشنی میں لائحۂ عمل اختیار کرتی ہیں۔ تحریکات کے کے لیے ایک راہ، راہِ جمود ہے، دوسری اقدام واجتہاد کی۔ یہی دوسرا راستہ کامیابی کا ضامن ہوسکتا ہے۔

خواتین کا مقام

اسلامی تحریکوں میں عورت کی شمولیت اور عملی دل چسپی بھی ضروری ہے۔ عورتیں معاشرے کا نصف حصہ ہیں اور وہی نئی نسلوں کی تربیت کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ مسلم ممالک کے خلاف فکری یلغار کا ایک خصوصی ہدف مسلمان عورت بھی ہے۔ مغربیت کے داعی مسلم معاشرے میں عورت اور آزادیِ نسواں کے مسئلے کو اسلام کے خلاف اپنی جنگ کا اہم حصہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے کہ فکری یلغار کے سارے تیروں کا رخ مسلم عورت کی طرف ہے۔ یہ تیر فیشن، زیب و زینت اور تبرج الجاہلیہ کے ہیں جو بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ عورت کی آزادی اور حقوق کے نام پر پھینکے جارہے ہیں۔ بعض غیر اسلامی نظریات کے علَم برداروں کا طریقۂ واردات یہ بھی ہے کہ انھوں نے عورتوں کے مسائل کو اس انداز میں چھیڑا ہے کہ بس وہی عورتوں کے حقوق کے حقیقی محافظ اور چیمپئن ہیں۔ ان کوششوں سے بہت سی عورتوں نے دھوکا کھایا ہے۔ بے شک بہت سی خرابیاں اور ناانصافیاں مسلم معاشرے میں جڑ پکڑ چکی ہیں جن کی وجہ سے عورتوں میں احساس محرومی پایا جاتا ہے۔ ان کا ازالہ ضروری ہے۔ اسلامی تحریکوں سے وابستہ افراد کو چاہیے کہ عورتوں پر خصوصی توجہ دیں، انھیں شریعت کے عطا کردہ تمام حقوق کی ادایگی کا اہتمام کریں، شرعی حدود کے اندر انھیں تعلیم، طب اور علوم کے میدان میں صلاحیتیں استعمال کرنے کا موقع دیں۔

بیداریِ اُمت کی ضرورت

ان اہداف کے حصول کے لیے سب سے پہلے اسلامی تحریکوں کو دنیا بھر میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کی سوچ اور فکر کو بلند کرنا ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ بلند اہداف کا تعین اور امید کی فضا تیار کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کے لیے دورِ حاضر کے مسلمان کی تہذیبی، اخلاقی اور نفسیاتی تربیت اور انسان مطلوب کے اعلیٰ معیار پر ایسے افراد تیار کرنا ہوں گے جو ہوائے نفس کی غلامی سے آزاد ہوں، جو علاقائیت سے سحر زدہ نہ ہوں، جنھیں شرک کی چکاچوند دھوکا نہ دے سکے۔ وہ پیش آمدہ مشکلات سے پریشان نہ ہوں، بلکہ ان پر قابو پانے اور حق و سچ پر پامردی سے ڈٹ جانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

اس اعلیٰ مقصد کے حصول کے لیے ان تمام اداروں کو باہم مل کر فضا تیار کرنی ہوگی جو تربیت انسان میں موثر کردار رکھتے ہوں، تاکہ اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان، اسلام کے سچے پیغام اور آخرت کے دائمی گھر، سب کی آبیاری ہوسکے۔ اسلامی تحریکوں کو ایسے ایمان کے لیے کوششیں کرنی ہوں گی جس سے بہترین و مثبت عملی ثمرات ظاہر ہوں۔ اعلیٰ اخلاقیات جنم لیں اور بندگیِ رب، تعمیر دنیا اور بنی نوع انسان کے فائدے کی صورت سامنے آسکے۔